سیاستِ فاروقیؓ

(محمد کرد علی)

[شام کے مشہور فاضل اور دمشق کی مجمع العلمی العربی کے صدر محمد کُرد علی دورِ حاضر کے ایک باکمال عالم، ایک زبردست مؤرخ اور صاحبِ طرز ادیب تھے۔ صاحبِ موصوف ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۳ء میں وفات پائی۔ عربی ادب اور تاریخ نویسی پر اُن کی نظر گہری اور ناقدانہ تھی۔ سادہ نگاری ان کی انشا کا زیور تھی۔ اسلوبِ بیان صاف و رواں اور تحریر عالمانہ وقار کی حامل۔ زیرِ نظر مقالہ ان کی ایک تصنیف: الاسلام و الحضارۃ العربیہ سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب مرحوم نے دو جلدوں میں تحریر فرمائی تھی اور حق یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے مصنف کی وسعتِ معلومات اور قوتِ استدلال کا ایک گہرا نقش قاری کے دل پر بیٹھتا ہے]

اپنی جانشینی کے لیے حضرت اُبوبکرؓ نے حضرت عمرؓ بن خطّاب کو انتخاب کیا اور اس سلسلہ میں اپنے اُن ساتھیوں سے مشورہ فرمایا، جن کی سیاسی بصیرت مسلّم و ممتاز تھی۔ انہی اہل الرائے اصحاب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے۔ انھوں نے صدیق اکبرؓ سے کہا: "عمرؓ کے متعلق آپ کی جو رائے ہے، بخدا ہم اُنھیں اس سے بھی افضل سمجھتے ہیں[1]۔ لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ میں نرمی پاتے تھے، لیکن ذمہ داری جب خود اُن پر آپڑے گی تو وہ اپنی بہت سی عادتیں چھوڑ دیں گے۔ ابو محمد! میرا تجربہ ہے کہ جب میں کسی پر غصہ ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے اور نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔" جب حضرت ابوبکرؓ کی بیماری نے شدت اختیار کی تو بالاخانہ پر تشریف لے گئے، نیچے آدمی جمع تھے، اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا: "کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جسے میں ولی عہد مقرر کر دوں؛ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے غور و فکر میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی؛

[1] تاریخ الطبری

نہ اس منصب کے لیے اپنے کسی رشتہ دار کو تجویز کیا ہے۔ میں عمرؓ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کر رہا ہوں۔ تم میری سنو اور مانو!" سب نے کہا: "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا!" حضرت ابوبکرؓ نے ایک عہدنامہ بھی لکھوایا جس کا مضمون یہ تھا: "یہ عہدنامہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلیفہ ابوبکرؓ کا ہے، جب کہ وہ اس دنیا سے کوچ کر رہا ہے اور عالمِ آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت ہے اور یہ وہ مرحلہ ہے جہاں کافر ایمان لے آتا ہے اور گنہ گار تائب ہو جاتا ہے۔ میں نے عمرؓ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے اگر وہ نیکی اور عدل کریں گے تو ان کی نسبت میرا گمان اور علم یہی ہے اور اگر وہ بدل گئے، انہوں نے ظلم و ناانصافی کی راہ اختیار کی تو میں عالم الغیب نہیں ہوں۔ میری نیت بخیر ہے اور ہر شخص اپنے کیے کا پھل پائے گا۔[1]

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ اور جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو طلب فرمایا[2] اور جو سمجھانا تھا، انھیں سمجھایا۔ جب حضرت عمرؓ چلے گئے تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی: یا اللہ! میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادہ اور اس اندیشہ سے کیا ہے کہ ان میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ کام کیا ہے جسے تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے بہترین اور قوی ترین شخص کو اپنا جانشین بنایا ہے، جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے میرے لیے تیرا جو حکم آنا تھا، آچکا۔ اب میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ وہ تیرے بندے ہیں اور ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا اللہ! ان کے والی کو نیک توفیق دے، اسے خلفائے راشدینؓ کے زمرہ میں شامل فرما، جو تیرے نبی رحمتؐ کی ہدایت پر چلے اور اس کے لیے اس کی رعیت کو صلاحیت عطا کر!

ہر چند حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد فرما دیا تھا، لیکن اس کا ان لوگوں کی چہ میگوئیوں پر کوئی اثر نہ پڑا، جن کے دلوں میں آئندہ ہونے والے خلیفہ کے متعلق سوالات ابھر رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا: "میں نے تمہاری امارت اس شخص کے سپرد کی ہے جو میرے نزدیک تم سب سے بہتر ہے۔ لیکن اس پر تم سب اندیشہ مند ہو گئے گویا امیر کسی

[1] تہذیب الاسماء للنووی
[2] الکامل للمبرد

اور کو ہونا چاہیے تھا۔ تم نے دیکھا کہ دنیا تمہاری طرف بڑھی چلی آرہی ہے اور تم اُس پر ریجھ گئے تا آں کہ حریری پردوں اور دیبائی مسندوں کو تم نے اپنی زندگی بنا لیا۔ تم آذربائیجان کے اونی بستروں پر اس طرح بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگے، جیسے تم میں سے کوئی سعدان کے کانٹوں پر سو رہا ہو۔" لیکن اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ نے نیت کی جس بے لوثی اور ارادہ کے جس استحکام کا ثبوت دیا اُس نے معترضین کے ہونٹ سی دیئے اور اختلاف و عناد کے سرکش گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں، جس کی وجہ سے فضا ہر قسم کے ہنگامے اور فتنہ و فساد سے پاک و صاف رہی۔ بنو ہاشم نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد فرمادیا ہے تو وہ بھی اپنے سردار کے استخلاف کی طرف سے مایوس ہوگئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خلیفہ ثانی ان حضرات میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں، جو ہر لوث اور ہر غرض سے ماورا ہیں جنھیں مسلمانوں کی بہتری اور استحکام کے سوا، اور کوئی مقصد عزیز نہیں۔ اور جن کے قدم صرف اسی رستے پر اُٹھتے ہیں، جو شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے تجویز فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے محسوس فرمایا کہ زمامِ خلافت سنبھالنے کے لیے حضرت عمرؓ سے زیادہ قوی دست انسان اور کوئی نہیں ہے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کے بارے میں مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ کچھ لوگوں نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور کچھ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ لیکن جن لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، وہ بھی بعد کو اس پر رضامند ہوگئے۔

مسند نشینِ خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلی بات جو حضرت عمرؓ کی زبان سے ادا ہوئی، وہ یہ تھی: "عرب کی مثال نکیل پڑے اونٹ کی سی ہے، جو ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اب یہ دیکھنا ساربان[1] کا کام ہے کہ اسے کس طرح ہانکے۔ رہا میں، سو ربِ کعبہ کی قسم! میں اُنھیں رستے پر لاکے چھوڑوں گا۔"

فاروقِ اعظمؓ جب حضرت ابوبکرؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے تو ہاتھوں سے مٹی جھاڑی اور اپنی جگہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ انھوں نے فرمایا: "اللہ نے تمہیں میرے اور مجھے تمہارے شاملِ حال کردیا۔ اور میرے دونوں صاحبوں کے بعد مجھے تم میں باقی رکھا۔ خدا کی قسم! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا میرے حکم کے بغیر کوئی اس کو طے نہ کرے گا اور جو معاملہ میری نظروں سے دُور ہوگا، میں پوری امانت و

---

[1] ایک خاردار بوٹی، جو اونٹ کی من بھاتی غذا ہے۔

کفایت کے ساتھ اس میں اپنی کوشش صرف کروں گا۔ اگر لوگ مجھ سے احسان اور بھلائی کے ساتھ پیش آئیں گے تو میں بھی اُن کے ساتھ احسان اور بھلائی کے ساتھ پیش آؤں گا اور اگر بدی کریں گے تو میں بھی اُنھیں سزا دُوں گا۔ کہنے والوں نے کہا کہ بخدا! اُنھوں نے اپنے اس قول میں بال برابر زیادتی نہ کی تا آنکہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔" ان کا ایک اور قول ہے: "یا اللہ! میں سخت ہوں، مجھے نرم کر دے۔ میں کمزور ہوں مجھے توانائی عطا فرما۔ میں بخیل ہوں، مجھے سخی بنا دے!"

حضرت عمرؓ نے ہر ملک میں عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ ان کی فتوحات میں مصر اور شام، عراق اور جزیرہ، ارمینیہ اور ایران، خوزستان اور آذربائیجان، الجبال اور طرابلس شامل ہیں اور ان فتوحات کی مثال اسلام میں نہ ان سے پہلے کہیں ملتی ہے، نہ ان کے بعد۔ ان کا کوئی نشانہ خالی گیا نہ ان کا کوئی پرچم سرنگوں ہوا۔ مسلمانوں کی زندگی انھیں اپنی جان سے زیادہ پیاری تھی اور اپنے لشکروں کی کمان وہ ایسے لوگوں کے سپرد فرماتے تھے جو علم و نظر میں اپنا خاص مرتبہ رکھتے تھے۔ نہاوند کے معرکے میں اُنھوں نے نعمان بن مقرن کو لکھا: اما بعد! مجھے اطلاع ملی ہے کہ نہاوند کے شہر میں عجمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ تمھارے مقابلے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ جب میرا یہ خط تمھیں ملے اللہ کے حکم اور اس کی نصرت و اعانت کے سائے میں اُن مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ، جو تمھارے ساتھ ہیں۔ انہیں دشوار گزار راہوں سے مت لے جانا کہ ان کو تکلیف ہو گی۔ ان کا حق نہ روکنا کہ اس سے ان کے دلوں میں نفرت بیٹھے گی اور نہ انھیں گھنے جنگلوں میں لے کر داخل ہونا کہ مسلمانوں کا ایک فرد مجھے ایک لاکھ دیناروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور جب ان کے کسی سپہ سالار یا ساتھی کی موت کی اطلاع انہیں دی جاتی تو بے اختیار اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ چاہے اس اطلاع کے ساتھ کسی بڑے سے بڑے ملک کی نوید فتح ہی کیوں نہ ہوتی۔

حضرت عمرؓ کی راستی ان کے دو صاحبوں کی راستی تھی اور حضرت عمرؓ کی زبان ان کے دو صاحبوں کی زبان۔ سلمہ اشجعی کو جب کُردوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا تو ان سے کہا: "اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جنھوں نے اللہ سے بغاوت کی ہے۔ اگر تمہیں اپنے مشرک دشمنوں سے

مقابلہ پیش آ جائے تو ان کے سامنے تین چیزیں پیش کرو: انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور اپنے گھر بیٹھنا پسند کریں تو ان کے مال سے زکوٰۃ وصول کرنا تم پر فرض ہے۔ مسلمانوں کی فے میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اور اگر وہ تمہارے ساتھ مل کر لڑنا پسند کریں تو ان کے بھی حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو تمہارے ہیں۔ لیکن اگر وہ قبولِ اسلام سے انکار کر دیں تو ان سے خراج طلب کرو اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو، اگر وہ خراج ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو ان سے جنگ کرو، اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تمہارا حامی و ناصر ہے اور اگر وہ تمہارے خوف سے قلعہ بند ہو جائیں اور تم سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق معاملت کی درخواست کریں تو ایسا نہ کرنا، کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم کیا ہے اور اگر وہ تم سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری میں پناہ طلب کریں، تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نہیں، صرف اپنی ذمہ داری کی حامی بھرنا۔ اور اگر وہ تم سے جنگ کریں تو زیادتی اور بدعہدی نہ کرنا، ان کے ناک کان نہ کاٹنا اور نومولود کو قتل نہ کرنا"

صحابہ میں جو اربابِ حل و عقد تھے اور ان میں حضرت علیؓ بھی تھے، وہ حضرت عمرؓ سے خوش تھے اس لیے کہ حضرت عمرؓ کی خدمات ان کے لیے سرمایۂ راحت تھیں، حضرت عمرؓ کا قول ہے: میرے پاس جب دو آدمی جھگڑتے ہوئے آتے ہیں تو میں اس کی پروا نہیں کرتا کہ ان میں سے حق بجانب کون ہے" اور فرماتے ہیں: میرے دو ساتھی گزر چکے۔ انھوں نے ایک ہی کام کیا اور ایک ہی راہ اختیار کی۔ اگر میرا عمل ان کے خلاف ہوا، تو گویا ان کی راہ چھوڑ کر میں نے الگ راہ اختیار کی" وہی ہیں جن کے متعلق حدیث نبویؐ ہے: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے" سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے: "بلاشبہ اللہ نے عمرؓ کے دل میں اور ان کی زبان پر حق رکھ دیا ہے۔ نبی رحمت علیہ التحیۃ والتسلیم کا یہ ارشاد بھی فاروقِ اعظم کی کتابِ مناقب کا عنوانِ زرّیں ہے: "اللہ کے معاملہ میں جتنے سخت عمرؓ ہیں، میری امت میں اور کوئی نہیں" حضرت عمرؓ کے ایک واصف کا قول ہے: "وہ حق کے لیے سخی اور باطل کے لیے بخیل تھے"

خارجی اور داخلی سیاست میں حضرت عمرؓ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ حجاز کی دو ہمسایہ سلطنتوں — ایران اور

روم ––– کے انہوں نے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ شان دار فتوحات نے اُن کی تلواروں سے پیمانِ وفا باندھ رکھا تھا اور اس عظیم و جلیل توفیق کا راز یہ تھا کہ فاروق اعظم کی نگاہ بڑی دوربین اور اُن کی معنوی قوت بڑی بے پناہ تھی۔ وہ اہل الرائے کے مشوروں پر عمل کرتے تھے اور وُلاۃ و عمال کے انتخاب میں حُسنِ بصیرت سے کام لیتے تھے۔ کوئی نفع بخش کام نہ تھا جسے وہ نہ کرتے ہوں اور کوئی قوت نہ تھی، جس سے وہ فائدہ نہ اٹھاتے ہوں دنیوی ساز و سامان کو وہ ہیچ سمجھتے تھے اور یہاں کی کسی نعمت، کسی راحت کی طلب ان کے دل میں پیدا نہ ہوتی تھی۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح وہ بھی سادہ و بے رنگ زندگی کو پسند کرتے تھے[1] اور ہر قسم کے آرام و آسائش سے دامن کش رہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کے عمال بھی تمام عادات و خصائل اور افعال و اخلاق میں انہی کی پیروی کریں۔ وہ اونی جبہ پہنتے، جس میں چمڑے وغیرہ کے پیوند لگے ہوتے اور اُونی چُغے میں لپٹے رہتے۔ وہ اپنے کندھوں پر پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ اٹھاتے اور یہی حال ان کے عمال کا تھا، حالانکہ اللہ نے اُن پر ملکی فتوحات کے دروازے کھول دیئے تھے اور انہیں دولت و ثروت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنی چادر اوڑھ کے مسجد کے ایک گوشے میں سو جایا کرتے تھے[2] جب تستر کے حاکم: ہرمزان کو مدینہ لایا گیا، تو اس کے ساتھیوں نے حضرت عمرؓ کے متعلق پوچھنا شروع کیا۔ لوگوں نے کہا: وہ ابھی یہاں سے گزرے ہیں۔ ہرمزان نے جو یہ دیکھا کہ امیرالمومنینؓ عام آدمیوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، تو اس کے دل میں ان کی حیثیت کم ہوگئی۔ آخر کار وہ ان کے پاس پہنچا۔ فاروق اعظمؓ اس وقت مسجد کے ایک گوشے میں استراحت فرما تھے۔ ہرمزان نے کہا: بخدا! بڑا خوش نصیب ہے یہ بادشاہ، جو کہتا ہے کہ مجھے کسی حفاظتی دستہ کی ضرورت نہیں۔ جب حضرت عمرؓ اٹھ کر بیٹھے تو ان کے وقار، تمکنت اور پرہیزگاری کے جلال کو دیکھ کر اس عجمی رئیس کا دل ہیبت سے لرز اٹھا۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی حضرت عمرؓ کی مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے روم کے معرکہ میں اپنی شرکت کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر آپ خود اس دشمن کی طرف جائیں گے تو اندیشہ ہے کہ لڑائی میں آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ آپ ان کے دُور دراز

[1] مروج الذہب للمسعودی [2] الکامل للمبرد

ملک کی راہ میں مسلمانوں کے لیے روک نہ بنیے! آپ کے بعد کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا جس کی طرف مسلمان لوٹ سکیں، اس لیے اپنی بجائے کسی جنگ آزمودہ سالار کو بھیجیے اور ایسے لوگ اس کے ساتھ کیجیے جو شمشیرزن بھی ہوں اور اہلِ نصیحت بھی۔ اگر اللہ نے انھیں غالب کر دیا تو آپ کی مراد بر آئی اور اگر دوسری صورت ہوئی تو آپ لوگوں کے لیے چادر اور مسلمانوں کے لیے نقطۂ اجتماع ہوں گے"[1] اسی طرح جب حضرت عمرؓ ایرانیوں سے لڑنے عجم کے محاذ پر تشریف لے جانا چاہتے تھے، اس وقت بھی انھوں نے حضرت علیؓ سے مشورہ فرمایا جس کے جواب میں حضرت علیؓ نے کہا: یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی کامیابی یا ناکامی کا مدار کثرت و قلت پر نہیں ہے۔ امیر اپنی قوم میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو حیثیتِ تسبیح میں رشتے کی ہوتی ہے۔ جہاں رشتہ ٹوٹا، تسبیح کے دانے بکھرے، اور اس کے بعد قیامت تک وہ سب کے سب جمع نہیں ہو سکتے۔ عرب اگرچہ قلیل التعداد ہیں لیکن اسلام نے ان کی قلت کو کثرت سے بدل دیا ہے اور ان کی اجتماعی حیثیت نے انہیں عزیز و ارجمند بنا دیا ہے۔ پس آپ کو چاہیے کہ مدارِ کار بن کر عربوں سے کام لیتے رہیں۔ جنگ کی آگ سلگائیں، مگر خود جا کر نہیں۔ اس لیے کہ اگر آپ نے اس سرزمین سے کوچ کیا تو اطراف و اکناف سے عرب آپ پر ہجوم کر دیں گے اور آپ کے پیچھے جو مسائل و مصائب رونما ہوں گے، انہیں دیکھ کر آپ سامنے کے خطرات کو بھول جائیں گے پھر جب ایرانی آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے یہ عربوں کا سردار ہے اگر اس کا قصہ پاک کر دیا تو پھر آرام ہی آرام ہے۔ یہ چیز ان کتوں کو آپ کے لیے زیادہ خطرناک بنا دے گی اور وہ آپ کی جان کے درپے ہو جائیں گے اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ ایرانی مسلمانوں سے لڑنے کے لیے روانہ ہو گئے ہیں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو ان کی روانگی آپ سے زیادہ ناگوار ہے اور جو بات اسے ناگوار ہے، اس کو بدلنے پر وہ آپ سے زیادہ قادر ہے۔" اس طرح حضرت عمرؓ ان فتوحات آفریں جنگوں میں بہ نفسِ نفیس شریک نہیں ہوئے جو ان کے زمانۂ خلافت میں لڑی گئیں، اور عہدِ رسالتؐ میں بھی کم ہی غزوات ہیں جن میں انہوں نے شرکت فرمائی۔

---

[1] نہج البلاغۃ: رضی

حضرت عمرؓ مکہ میں تھے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کے متعلق کوئی بات سنی اور لوگوں سے خطاب کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ان سے کہا: امیرالمومنینؓ! ایسا نہ کیجیے! حج کا زمانہ ہے اور ہر قسم کے اچھے بُرے لوگ جمع ہیں۔ جب آپ خطبہ دینے کھڑے ہونگے تو یہ لوگ زیادہ سے زیادہ آپ کے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور مجھے ڈر ہے کہ جب آپ کھڑے ہوکر کچھ فرمائیں گے تو یہ بے سمجھے بوجھے اسے ہر ایک کے سامنے نقل کریں گے۔ نہ غور سے آپ کی بات سنیں گے، نہ اس کے صحیح محل پر اسے رکھیں گے۔ مدینے پہنچنے تک صبر کیجیے! وہ ہجرت اور سنت کا گھر ہے وہاں اہلِ نظر اور شرفائے قوم سے مل کر جو کچھ فرمانا ہو، اطمینان و سکون سے فرمایئے گا۔ اہلِ علم آپکے ارشادات پوری توجہ سے سنیں گے اور انہیں ان کے صحیح محل پر رکھیں گے۔" حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا اور امتِ مسلمہ کے مالدار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی نصیحت پر اسی طرح عمل فرمایا جس طرح حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی نصیحت پر عمل فرمایا تھا۔

سلطنت کی خدمت کے لیے بہتر سے بہتر آدمی کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کسی خواہش اور کسی غرض سے مغلوب نہ ہوتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں کیا ہے۔ وہ ہر چیز کو اس کے خانے میں رکھتے تھے اور اس کی صحیح صحیح قیمت جانتے تھے۔ ایک دن لوگوں کو جہاد کی دعوت دینے کے لیے مسجد میں کھڑے ہوئے اور انہیں جوش دلاتے ہوئے کہا: اللہ نے قیصر و کسریٰ کے ملکوں کے دروازے تم پر کھول دیئے ہیں۔ اٹھو! اور سرزمینِ ایران کی طرف قدم زن ہو جاؤ"! ابو عبید بن مسعود ثقفی اٹھے اور کہا: امیرالمومنینؓ! سب سے پہلے میں آپ کی دعوت پر لبیک کہتا ہوں"! ابو عبید کے لبیک کہتے ہی اور لوگوں نے بھی اپنی آمادگی ظاہر کردی۔ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ اس فوج کا سالار مہاجرینؓ یا انصارؓ میں سے کسی کو بنایئے! حضرت عمرؓ نے فرمایا: "نہیں! میں امیر اسی کو بناؤں گا جس نے سب سے پہلے میری دعوت قبول کی ہے۔" حضرت عمرؓ ہمیشہ ان خفی و جلی باتوں سے یقین کی حد تک باخبر رہتے تھے جو دور و نزدیک گردش کرتی رہتی تھیں اور قلب و گوش کے لیے سرمایہ بن جاتی تھیں۔ اور وہ اس زیرکی و جانبازی پر بھی بطورِ خاص نظر رکھتے تھے جس سے مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے لیے امیرالمومنین کا لقب

اختیار کیا اور وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہیں اس لقب سے پکارا گیا۔ لوگ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۂ رسول اللہ کہتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہیں خلیفۂ خلیفۂ رسول اللہ کہنے میں تکلف اور دشواری پیش آئی۔ اس لیے لفظ خلیفہ یا امیرالمومنین پر اکتفا کیا گیا۔[۱]

جب فاروقِ اعظمؓ ابولولوہ کے ہاتھوں زخمی ہوئے اور ان کا قتل نتیجہ تھا اس سازش کا جو ہرمزان نے عربوں سے نفرت کے زیر اثر مرتب کی تھی۔ کیونکہ عربوں نے ایرانی تخت پر قبضہ کر لیا تھا ـــــ تو سب سے پہلی بات جو خون بہتے میں حضرت عمرؓ نے سوچی، وہ خلافت کے متعلق تھی۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا: "میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں!" حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا: "امیرالمومنینؓ! اگر آپ مجھ سے فرمائیں گے تو میں قبول کر لوں گا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تم کیا سمجھ رہے ہو؟" بولے: "آپ کو خدا کی قسم! آپ اسی چیز ـــ خلافت ـــ کے متعلق فرما رہے ہیں نا؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "بخدا! نہیں!" حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا: "واللہ! اب میں اس میں کبھی دخل نہ دوں گا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اس وقت تک خاموش رہو جب تک میں ان لوگوں سے وعدہ نہ لے لوں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دم تک خوش رہے۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ اور سعدؓ کو میرے پاس بلا لاؤ۔" جب یہ حضرات آ گئے تو ان سے گفتگو کے دوران میں فرمایا: "اپنے بھائی طلحہؓ کا تین دن انتظار کرنا ـــ حضرت طلحہؓ مدینہ سے باہر کہیں تشریف لے گئے تھے ـــ اگر وہ آجائیں تو بہتر ہے ورنہ آپس ہی میں فیصلہ کر لینا۔" اس کے بعد حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "علیؓ! تمہیں خدا کی قسم! اگر امارت تم کو سونپی جائے تو بنو ہاشم کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔ اور اے عثمانؓ! تمہیں خدا کی قسم! اگر خلافت کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو تو بنو ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا اور اے سعدؓ! تمہیں خدا کی قسم! اگر خلیفہ تم کو بنایا جائے تو اپنے رشتہ داروں کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔ اٹھو! اور آپس میں مشورہ کر کے اپنا مسئلہ طے کر لو! لوگوں کو نماز صہیبؓ پڑھائیں گے۔" اس کے بعد انتقال سے تھوڑی دیر پہلے حضرت ابوطلحہؓ انصاری کو بلایا اور ان سے کہا: انصار کے پچاس آدمی لے کر ان کے دروازہ پر کھڑے

---

[۱] فان فلوتن کی "السیادۃ العربیہ" تعریب حسن ابراہیم حسن و محمد زکی ابراہیم

[۲] تاریخ طبری

ہو جاؤ اور جب تک خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ آجائے، کسی کو اندر نہ جانے دو۔" اور فرمایا: "میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو عربوں کے لیے وصیت کرتا ہوں کہ وہ اسلام کا مایۂ خمیر ہیں۔ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ لوگوں کے عہد پورے کرے۔ یا اللہ! کیا میں نے ابلاغ کا حق ادا کر دیا؟ میں اپنے جانشین کے لیے خوب سے خوب تر آسائش و راحت چھوڑے جا رہا ہوں۔"

جب حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تو لوگوں نے کہا: امیر المومنینؓ! اگر آپ کسی کو اپنا جانشین نامزد فرما دیتے تو اچھا تھا۔" فرمایا: کسے نامزد کروں؟ اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ بنا دیتا اور میرا رب مجھ سے پوچھتا، تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبیؐ کو فرماتے سنا ہے: ابو عبیدہؓ اس اُمت کے امین ہیں۔ اگر سالمؓ مولائے ابی حذیفہؓ زندہ ہوتے، تو خلافت ان کے سپرد کر دیتا اور میرا رب مجھ سے پوچھتا، تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبیؐ کو فرماتے سنا ہے: سالمؓ اللہ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔" کسی نے عرض کی: میں عبد اللہ بن عمرؓ کا نام پیش کرتا ہوں۔" فرمایا: اللہ تجھے مارے! بخدا! یہ بات کہنے میں تیری نیت بخیر نہیں ہے۔ افسوس ہے تجھ پر۔ میں ایسے شخص کو خلیفہ کیسے بنا دوں، جو اپنی بیوی کو طلاق بھی نہ دے سکا۔ ہمیں تمہاری امارت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اگر اسے خوش آیند سمجھتا تو اپنے کسی رشتہ دار کو اس کی ترغیب دیتا۔ اگر وہ بھلائی ہے تو ہم نے حاصل کر لی اور برائی ہے تو ہم اس سے دامن کش ہو گئے۔ البتہ مجھ سے جہاں تک ہو سکا، میں نے اپنی جان کھپائی اور اپنے رشتہ داروں کو محروم کر دیا۔ اگر میں برابر چھوٹ جاؤں کہ نہ مجھے سزا ملے، نہ جزا، تو میں یقیناً اپنے تئیں خوش نصیب سمجھوں گا۔ دیکھو! میں اپنا جانشین نامزد کروں تو کر سکتا ہوں کہ جو مجھ سے بہتر تھے ـــ حضرت ابو بکر صدیقؓ ـــ انہوں نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اور اگر کسی کو خلیفہ نہ بناؤں، تو یہ بھی کر سکتا ہوں کہ جو مجھ سے بہتر تھے ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـــ انہوں نے ایسا کیا تھا۔ اور اللہ اپنے دین کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔"

حضرت عمرؓ نے شوریٰ کا معاملہ چھ کبار صحابہؓ پر چھوڑ دیا، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک خوش رہے اور حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفانؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

حواری اور آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کے نام لے کر کہہ دیا کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے۔ اور ان حضرات سے فرمایا: جب تم کسی کو والی مقرر کر لو تو بہتر سے بہتر طریق پر اس کا ہاتھ بٹانا اور اس کی مدد کرنا۔ جسے امین سمجھا جاتا ہے امانت اسی کے سپرد کی جاتی ہے۔ شوریٰ کا سہ روزہ اجلاس شروع ہوا ارکان شوریٰ نے یہ طے کر لیا تھا کہ چوتھا دن ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت مقدادؓ بن اسود کو حکم دیا ان کے سروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر ان میں سے پانچ ارکان کسی ایک شخص کے حق میں یک زبان ہو جائیں اور ایک رکن اختلاف کرے تو اس کا سر کچل دینا، یا تلوار سے اس کی گردن مار دینا۔ اور اگر چار آدمی متفق ہو کر کسی کے حق میں فیصلہ کریں اور باقی کے دو ان کے ہم رائے نہ ہوں، تو ان دونوں کے سر اڑا دینا۔ اور اگر تین آدمی ایک طرف ہوں اور تین آدمی دوسری طرف۔ تو عبداللہ بن عمرؓ کو حکم بنانا۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کا فیصلہ قبول نہ کیا جائے تو اس گروہ کا ساتھ دینا، جس میں عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہوں اور باقی کے لوگوں کو قتل کر دینا کہ وہ جماعت سے روگردانی کے مجرم ہوں گے۔"

حضرت عمرؓ نے خلیفہ کے انتخاب کی ایک ایسی عجیب صورت وضع کی، جس کی مثال اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی۔ ان کے سیاسی کارناموں کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں اختراع و عبقریت کی شان اپنے تمام لوازم کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ان کی یہی سیاسی بصیرت تھی، جس نے ان بزرگوں سے ارکان شوریٰ کے مقاصد ان پر آئینہ کر دیے تھے۔ اور وہ ڈر رہے تھے کہ اگر سینوں میں حسد رینگنے لگا اور دلوں میں کینہ و غضب کے تار متحرک ہو گئے، تو اُمت زوال و انحطاط کا شکار ہو جائے گی۔ انھوں نے فرمایا تھا: اس معاملے میں اصلاح نہیں ہو سکتی، بغیر اس شدت کے جس میں جبر نہ ہو، اور بغیر اس نرمی کے جس میں سستی نہ ہو۔" وہ جانتے تھے کہ ان نازک اور خطرناک مراحل میں شدت کے بغیر بات نہیں بنتی۔ بقول طبری ادھر مسلمانوں کے ممتاز اور صائب الرائے افراد بیعت کے لیے آگے بڑھے[1] ادھر حلقہ

[1] تاریخ طبری

بگوشِ اطاعت ہونے کے لیے عوام کا تانتا بندھ گیا۔ اور فتنے کے جراثیم اپنی موت آپ مر گئے، بالکل اسی طرح جیسے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن حضرت عمرؓ نے فوراً آگے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی اور جو صحابہؓ تکلف و گریز سے کام لے رہے تھے، انہیں پہلے نرمی اور بعد کو سختی سے بیعت پر مجبور کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ کارنامہ ان کے تمام کارناموں سے زیادہ محکم و پائدار تھا۔ وہ زندگی بھر امت کی بھلائی میں کوشاں رہے اور ان سے برداشت نہ ہو سکا کہ اپنی موت کے بعد اسے انارکی میں مبتلا چھوڑ جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے استخلاف کے سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت رسولؐ ایک مذہبی علامت تھی۔ اسے نماز اور روزہ کی طرح شرعی عبادات کی روش پر چلایا جا رہا تھا۔ بلکہ صدرِ اوّل کے مسلمان حاکم سازی و جنگی تدبیر اور ملکی انتظام کی طرح اس کو بھی ایک دینی معاملہ سمجھتے تھے۔ یہ منصب خلیفۂ اوّل کو وصیت یا زیادہ محتاط لفظوں میں "ایمانی وصیت" کے تحت ملا۔ خلیفۂ ثانیؓ ایک صاف امر اور صریح وصیت کے مطابق اس منصب پر فائز کیے گئے اور خلیفۂ ثالثؓ کو اربابِ حل و عقد کی مجلسِ شوریٰ نے اس منصب کے لیے منتخب کیا۔ اور اس طرح اسلام نے جمہوری نظام اور مذہبی نظام کو سمو دیا، جس میں زمانے کے حالات اور امت کے مصالح کا پورا پورا لحاظ تھا۔ روحانیت اور مادیت کے اس ملے جلے اقتدار میں ابتداءً وہ معقول و معتدل استبداد بھی شامل تھا، جس کے بغیر جماعت کے معاملات کی تنظیم نہیں ہو سکتی۔ اور جو لوگوں کو اطاعت پر آمادہ کرتا ہے ـــ اولی الامر، یعنی اُن ائمہ کی اطاعت پر، جنہیں حکومت کی باگ ڈور سونپی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ـ

اے ایمان والو: اللہ اور اس کے رسولؐ اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو!

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: عمرؓ بن خطاب کی لاش جب مسہری پر رکھی گئی، تو اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھے، لوگ اس کے چاروں طرف کھڑے ہو کر دعائیں مانگنے لگے۔

میں بھی ان میں تھا۔ یکایک کسی نے پشت کی طرف سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے گھبرا کے دیکھا تو علیؓ بن ابی طالب، عمرؓ کے لیے دعائے مغفرت کر رہے تھے۔ انھوں نے میت کو مخاطب کرکے کہا اللہ تم پر رحم فرمائے تمھارے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کے متعلق میرے دل میں تمنا ہو کہ میں اُس کا سا نامۂ اعمال لے کر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوں۔ خدا کی قسم! میرا تو یہی گمان ہے کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ — کے ساتھ رکھے گا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر فرماتے سنا ہے کہ میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ گئے۔ میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے۔ میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ نکلے۔ اس بنا پر مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو ان کے ساتھ رکھے گا۔" اور حضرت علیؓ نے فرمایا: "لوگو! میں تمھیں بتاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکرؓ تھے۔ ابوبکرؓ کے بعد سب سے بہتر عمرؓ تھے۔ اور اب ان کے بعد اللہ جہاں چاہے گا یہ فضیلت عطا فرما دے گا۔"